الگ خاصیت کے حامل ہیں۔ اسی طرح سنن و نوافل ارکان عبادات کے مکملات ہیں مختصر یہ کہ باطنی اور روحانی امراض کے طبیب حاذق انبیاء علیہم السلام ہیں

(المنقذ من الضلال ص ۶۰، ۶۱)

ضرورت نبوت کو ایک اور انداز سے بھی سمجھنے کی کوشش فرمائیے۔ یہ تو ہر شخص جانتا ہے کہ اس کائنات کا کوئی خالق ہے اور وہ خالق بہت سی صفات کا مالک۔ مادے اور قوت کا یہ کارخانہ ببانگ دہل کہہ رہا ہے کہ اس کے بنانیوالا کلی اختیار و ارادہ کا مالک ہے۔ وہ علیم و خبیر اور سمیع و بصیر ہے۔ وہ حکیم اور دانا ہے۔ وہ رحیم و کریم ہے۔ وہ بے نیاز اور غیر محتاج ہے۔ وہ قائم و دائم ہے اور وہ واحد و یکتا ہے۔ لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس خالق و مالک کا رشتہ انسان سے کس نوعیت کا ہے؟ آیا اس کے کچھ مطالبات انسان سے ہیں؟ آیا وہ کوئی ذمہ داری اس پر ڈالتا ہے؟ آیا وہ کسی امر میں اُس سے اطاعت و تسلیم چاہتا ہے؟ آیا وہ اسے کوئی ضابطہ و قانون دیتا ہے؟ آیا وہ اس سے کوئی حکم منوانا چاہتا ہے اور کسی شے سے اُسے روکتا ہے؟ آیا وہ کسی بات سے خوش یا ناخوش ہوتا ہے؟ اس کی پسند و ناپسند کیا ہے؟

ان سوالات کے جوابات دینے کے لئے کبھی ایسا نہیں ہوا کہ خدا خود زمین پر اُتر آئے اور وہ خود ایک ایک فرد انسانی کے پیچھے اپنی دعوت لئے دوڑتا پھرے۔ بلکہ انسانی ہدایت کے لئے اُس نے انسانوں ہی سے راہنما اُٹھائے اور انسانی نظام تہذیب و تمدن کو صالح بنیادوں پر استوار کرانے کے لئے انہی میں سے معمار کھڑے کیئے۔ اصل میں آدمی کی فطرت اور اس کی ساخت ایسی نہیں ہے کہ حقیقت مطلق کا ادراک براہ راست کر سکے۔ اس کے حواس اطلاق کی فضاؤں میں بالکل جواب دے دیتے ہیں۔ وہ کسی پیغام کو جبھی اخذ کر سکتا ہے کہ وہ تعینات و تحریرات کے سانچوں میں ڈھال کر اس کے سامنے لایا جائے۔ یہی نہیں فطرت کے تقاضے اس طرح پورے نہیں ہو سکتے کہ فرشتے اس کے سامنے دعوت کا علم اُٹھائیں اور اس کی قیادت کا فرض سرانجام دیں۔ اس کا محدود دماغ اپنی فکر کے چراغ براہ راست انوار الٰہی سے کبھی روشن نہیں کر سکا بلکہ وہ ایمان و عقیدہ کے دیئے صرف اس شعلۂ حقیقت سے جلا سکا ہے جو اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کے انسانی دماغوں ہی کے اندر فروزاں کیا ہے۔

(باقی آئندہ)

مولانا محمد عبدالحق چوہان

تلخ و شیریں

۲

اما علی رضی اللہ عنہ فکان یری ان بیعتہ قد تمت ولزمت من تأخر عنها باجتماع من اجتمع علیها بالمدینہ دار النبی صلی اللہ علیہ وسلم وموطن الصحابۃ وارجاء الامر فی القصاص من قتلۃ عثمان الی اجتماع الناس واتفاق الکلمۃ فیتمکن حینئذ مما یجب ان یفعل وبذالک عد من لم یبایعہ خارجاً علیہ یحل لہ قتالہ فخرج فعسکر بالنخیلۃ وقدم علیہ ابن عباس من البصرۃ واستخلف علیها زیاداً ثم قدم طلائعہ وعبی جیوشہ قاصداً محاربۃ اهل الشام لاجبارهم علی الدخول فیما

حضرۃ علی رضی اللہ عنہ کی یہ رائے تھی کہ انکی بیعۃ تمام ہو چکی ہے اور جو لوگ اس بیعۃ میں شامل نہیں ہوئے ان پر بھی یہ بیعۃ لازم ہو چکی ہے اس لئے کہ اہل مدینہ نے اس بیعۃ پر اجماع کر لیا ہے، مدینہ منورہ صحابہ کا وطن اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جائے ہجرۃ ہے اور قاتلینِ عثمان سے اخذ قصاص میں اس وقت تک تاخیر کی جائے جبتک کہ مسلمانوں کا اتفاق نہ ہو جائے اتفاق کے بعد اس فرض کی سرانجام دہی ممکن ہے۔ اسی رائے کی بناء پر حضرۃ علی رضی اللہ عنہ ان لوگوں سے قتال کرنا جائز سمجھتے تھے جن لوگوں نے انکی بیعت سے تخلف اختیار کیا تھا پس آپ کوفہ سے نکل کر مقامِ نخیلہ میں لشکر کی تیاری کے لئے فرد کش ہو گئے اور حضرۃ عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما بصرہ میں زیاد کو اپنا قائم مقام مقرر کر کے یہاں پہنچ گئے، اس کے بعد آپ نے حالات کا جائزہ لینے کے لئے مقدمۃ الجیش کو روانہ کیا اور لشکر کی ترتیب میں مصروف ہو گئے۔ آپ کا ارادہ اہل شام کے ساتھ قتال کرنے کا تھا تاکہ اہلِ شام کو اس

دخل فيه الناس	بیعۃ میں داخل ہونے پر مجبور کیا جائے جس بیعۃ
ولما علم بذالك	میں باقی لوگ داخل ہو چکے ہیں، جب حضرۃ
معاوية سار اليه في	معاویہ رضی اللہ عنہ کو حضرۃ علی رضی اللہ عنہ کے
جيوش الشام۔	اس اقدام کا علم ہوا تو آپ بھی اہل شام
(اتمام الوفاء ص۲۲۷)	کا لشکر لے کر روانہ ہو گئے۔

اور "الطبقات الکبریٰ" میں علامہ ابن سعد رقمطراز ہیں:

ثم خرج يريد معاوية	اس کے بعد حضرۃ علی رضی اللہ عنہ نکلے آپکا
بن ابي سفيان ومن معه	ارادہ حضرۃ معاویہ بن ابی سفیان اور ان کے
بالشام فبلغ ذالك معاوية	ساتھ جو شامی لوگ ان کی طرف تھا اور
فخرج فيمن معه من اهل	جب حضرۃ معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس اقدام کا
الشام (ص۳۲، ج۳)	علم ہوا تو وہ بھی شامی لوگوں کو لے کر نکل آئے

ان روایات سے یہ بات روزِ روشن کی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ معرکہ صفین میں ابتدائی اقدام حضرۃ علی رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہوا اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا اقدام مدافعانہ تھا۔ اور ان روایات سے مودودی کی یہ کذب بیانی، "دوسرے یہ کہ معزول کئے جانے پر تلوار اُٹھالے"۔ بھی واضح ہو گئی کیونکہ یہ بات تب ہی صحیح ہو سکتی ہے جبکہ ابتدائی اقدام حضرۃ معاویہ رضی اللہ عنہ کی طرف سے ہوتا۔ ان صریح الزامات اور بہتان تراشی سے مودودی کے سینہ باکینہ کی آتش بغض وعداوۃ کی تسکین نہیں ہوئی اور اس کے قلم افتراء رقم سے ایک ایسا تنقیدی جُملہ تحریر ہو گیا ہے کہ جس کا ھدف صرف حضرۃ معاویہ رضی اللہ عنہ کی ذات نہیں بلکہ حضرۃ عمر رضی اللہ عنہ اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی ذواتِ مقدسہ کو بھی مجروح کرنے کی ناتمام کوشش کی گئی ہے حسد وعداوۃ کی آگ میں جل کر آپ تحریر کرتے ہیں:

"گورنری کوئی موروثی جاگیر نہیں ہے اور بیس بائیس۲۲ برس تک حضرۃ معاویہ کا گورنر رہنا بھی دُرست نہیں تھا۔"

مودودی کے اس جُملہ سے بُغض وعداوۃ کی آگ کے شُعلے بھڑک رہے ہیں اور آپ اس حد تک مغلوب الغضب معلوم ہوتے ہیں کہ شاید حضرۃ معاویہ رضی اللہ عنہ نے ان کی کسی ذاتی جائیداد وجاگیر کو غصب کر کے اس پر ناجائز قبضہ کر لیا ہو ——————

حضرۃ معاویہ رضی اللہ عنہ خلافت صدیقی ہی کے دور میں اپنے برادرِ بزرگ سیدنا یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہما کے زیرِ قیادۃ جہادِ شام میں مصروف العمل تھے۔ جب خلافت فاروقی میں ۱۸ھ کو طاعون عمواس میں کثرۃ سے اموات واقع ہوئیں اور بہت ہی جلیل القدر صحابی لقمۂ اجل بن گئے۔ اور حضرۃ یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ بھی اسی وبائی مرض میں فوت ہوگئے۔ چونکہ یہ حضرۃ امیرِ دمشق تھے ان کی وفات کے بعد انہی کے استخلاف سے حضرۃ معاویہ رضی اللہ عنہ امارۃ دمشق پر فائز ہوئے اور حضرۃ عمر رضی اللہ عنہ نے بھی اسکی توثیق کر دی۔ شیخ کمال الدین الدمیری صاحب حیاۃ الحیوان حضرۃ معاویہ رضی اللہ عنہ کا اجمالی تعارف کرتے ہوئے آپ کی امارۃ اور حضرۃ عمر رضی اللہ عنہ کی توثیق بیان کرتے ہوئے تحریر کرتے ہیں:

اسلم قبل ابیہ ابی	یہ (حضرۃ معاویہ رضی اللہ عنہ) اپنے والد ابی
سفیان وصحب رسول اللہ	سفیان رضی اللہ عنہ سے پہلے مسلمان ہوئے تھے
صلی اللہ علیہ وسلم وکتب	اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبۃ کا شرف انہیں
لہ وکان فی عسکر اخیہ	حاصل تھا اور انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم
یزید بن ابی سفیان	کے لئے کتابۃ کی خدمۃ سرانجام دی اور یہ اپنے
وکان عاملہ لعمر	بھائی یزید بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ کے لشکر
رضی اللہ عنہ استعملہ علی	میں تھے اور حضرۃ یزید سیدنا عمر رضی اللہ عنہ
امرۃ دمشق فلما احتضر	کی طرف سے دمشق کے حاکم تھے جب انکی وفاۃ
استخلف اخاہ علیہا	کا وقت قریب آیا تو انہوں نے حضرۃ معاویہ کو
فاقرہ عمر رضی اللہ عنہ	اپنا قائم مقام مقرر کیا اور سیدنا عمر نے ۲۰ھ
علی ذالك فی سنۃ	میں اس استخلاف کی توثیق کرتے ہوئے آپ
عشرین فلم یزل متولیا علی الشام	کو امارۃ دمشق پر برقرار رکھا اور یہ مسلسل بیس
عشرین سنۃ (حیاۃ الحیوان ص۸۵ ج۱)	سال تک امارۃ شام پر متمکن رہے

اور حضرۃ عمر رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں اُردن کا علاقہ حضرۃ شرجیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے زیرِ امارۃ تھا۔ حضرۃ عمر رضی اللہ عنہ نے حضرۃ شرجیل کو معزول کر کے یہ امارۃ بھی حضرۃ معاویہ رضی اللہ عنہ کے سپرد کر دی۔ حضرۃ شرجیل رضی اللہ عنہ چونکہ جلیل القدر صحابی تھے اس معزولی پر بعض لوگوں نے تعجب کا اظہار کیا

تو حضرۃ عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ میں نے شرجیل کو کسی بد دیانتی یا خیانت کے باعث معزول نہیں کیا بلکہ اس لئے کہ اس علاقہ کی امارۃ اس شخص کے سپرد ہو جو کہ سیاسی امور کے اعتبار سے ان سے زیادہ قوی ہو۔

وعزل شرحبيل عن الاردن وقال للناس اني لم اعزله عن ريبة ولكن اريد رجلا اقوى من رجل (اتمام الوفاء ص۱۲۸)	حضرۃ عمر نے حضرۃ شرجیل کو اردن سے معزول کیا اور لوگوں سے کہا کہ میں نے ان کو کسی شک و شبہ کی بناء پر معزول نہیں کیا لیکن میں چاہتا ہوں کہ اس علاقہ کی امارۃ کے لئے ان سے زیادہ مضبوط امیر ہو۔

حضرۃ عمر رضی اللہ عنہ کی شہادۃ کے بعد حضرۃ عثمان رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافۃ میں بھی حضرۃ معاویہ رضی اللہ عنہ بدستور اسی امارۃ پر فائز رہے بلکہ خلافتِ عثمانی میں پورا صوبۂ شام ان کے زیرِ اقتدار تھا۔ اب سوال یہ ہے کہ حضرۃ معاویہ رضی اللہ عنہ کا صوبۂ شام پر اتنی مدۃ تک گورنر رہنا مودودی کے بقول اگر درست نہیں تھا تو اس میں حضرۃ معاویہ رضی اللہ عنہ کا کیا قصور ہے؟ اس غلطی کا ارتکاب تو ان لوگوں نے کیا جنہوں نے حضرۃ معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس علاقہ کی امارۃ سپرد کی۔ یہ ہے بغضِ معاویہ کا ثمرۂ بد کہ ایک ہی جملہ میں خلفاء راشدین کے اس عمل کی تغلیط کر دی جو کہ سیاسی اعتبار سے حکمتِ بالغہ پر مبنی تھا۔

اس کے بعد حضرۃ معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق فیصلہ کن انداز میں تحریر ہے کہ:

"لہذا کوئی شخص یہ نہیں کہہ سکتا کہ حق حضرۃ معاویہ کے ساتھ تھا۔"

حضرۃ معاویہ رضی اللہ عنہ کے متعلق مودودی کا یہ فیصلہ انتہائی ضلالۃ وگمراہی پر مبنی ہے اور مودودی کی دینی بے بصیرتی پر واضح دلیل ہے۔ مشاجراتِ صحابہ کے متعلق اہل سنۃ کا مسلک اعتدال یہ ہے کہ کسی صحابی کے متعلق ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ یہ صاحب حق پر نہیں تھے کیونکہ ان کے اختلافات کی مدار اجتہاد پر تھی۔ اور مجتہد کا اجتہاد اگر خطا پر ہو تب بھی وہ معذور رہے اور اس کو باطل پر نہیں کہا جا سکتا اور صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم کا مرتبہ و منصب کہیں بلند ارفع ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشادِ گرامی ہے:

عن عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ قال سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم	حضرۃ عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے اپنے بعد صحابہ کے اختلاف کے